ڈاکٹر نسیم اختر

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سرائیکی، جامعہ زکریا ملتان

اردو اور سرائیکی ادب پر ڈاڈاازم کے اثرات: ایک مطالعہ

Dr Naseem Akhtar
Assistant Professor, Department of Saraiki, Bahauddin Zakariya University, Multan.

The Impact Dadaism on Urdu and Saraiki Literature: Analytical Study

Critical, intellectual and literary movements birth to new point of views and establish novel trends. Postmodern intellectual thoughts in Saraiki literature have produced new sementics metaphors. Slangs were introduced into creative art and literature as bare realities became the subject matter of literature. Hence, the objective of this paper was to present the background of "Dadaism" as western intellectual movement. The study aimed at analysing the direct and indirect impacts of this movement on urdu and saraiki literature. The findings of this research show that a similar movement to Dadaism was even observed by the critics in the region of southern Punjab. The study of "Vagtti" as a genre of folk literature was also a contribution of this article which will enhance the significance of the present study.

Key Words: *Dadaism, Saraiki Literature, Vagtti,*

ادب کے حوالے سے مغربی ادبی فکری تحریکوں کا مطالعہ کیا جائے تو سب سے پہلے ذکر "ڈاڈا ازم " (Dadaism) کا آتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں جو ذہنی بے چینی و اضطراب پیدا ہوا اس میں بہت سارے نئے ذہنی رجحانات نے جنم لیا اور کئی تحریکوں کا آغاز بھی ہوا۔ "ڈاڈاازم " اسی دوران ۱۹۱۶ء میں وجود میں آنے والی تحریک ہے۔ "ڈاڈا ازم ادب، مصوری، فلسفہ اور موسیقی کی دنیا میں ایک غیر سنجیدہ، منفی، ہسٹریائی، بے ہنگم اور تخریبی تحریک تھی۔"(۱)

اس تحریک کا آغاز زیورچ میں ہوا۔ کچھ ہی عرصے میں اس تحریک کے چرچے یورپ میں بھی عام ہونے لگے۔ بلکہ پیرس اور برلن تو خاص ڈاڈاایسٹوں کی آماج گاہ بن گئی۔

"The Term was ment to signify everyting and nothing or total freedom, and rules, ideals and traditions... In art and literature manifestations of this 'aesthetic' were mostly collage effects; the arrangement of unrelated objects and words in a random fashion."(۲)

ڈاڈائسٹ دراصل ہر چیز سے انحراف کو اپنی تحریک کا مقصد سمجھتا تھا۔ ادب، آرٹ و فن کی موجودہ صورت سے انحراف انہیں صحیح ڈاڈائسٹ ثابت کرتا ہے۔"کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں لوئی آراگون نے "بہترین ادب" سے حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

> "اس تحریک کے علم برداروں کا کہنا تھا کہ وہ طوفانی جھکڑ ہیں جو بادلوں اور دعاؤں کی چادر کو بھی پھاڑ ڈالتے ہیں اور بربادی، آتش زنی اور گلنے سڑنے کے عظیم الشان تماشے کی تیاری کرتے ہیں۔ وہ ڈاڈاازم سے مراد بے ساختگی سے پیدا ہونے والے ہر جذبے پر یقین لیتے ہیں۔"(۳)

تحریک کا نام منتخب کرنے کا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس تحریک کے سرکردہ ممبر ترستان زارا نے جرمن ڈکشنری اٹھائی اور فال نکالنے کے انداز میں آنکھیں بند کر کے ڈکشنری کو کھولا، کھولنے والے صفحہ پر پہلا لفظ "Dada" تھا لہٰذا اسی نام کو اپنی تحریک کے لیے تجویز کر لیا جبکہ ڈاکٹر شکیل پتافی "ڈاڈاازم" پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ تحریک عالمی حالات سے برگشتگی، بوریت اور انفرادی خود نمائی اور خود اشتہاری کے جذبے سے پیدا ہوئی تھی۔ اس تحریک کے سب سے ممتاز ترجمان ٹرسٹی زارا نے اس تحریک کے منشور اور "ڈاڈا" پر لیکچر میں کہا کہ "ڈاڈا تجریدیت کا سائن بورڈ ہے۔" اس نے مزید کہا کہ اشتہار بازی اور کاروبار بھی شاعری کے عناصر میں سے ہیں۔ ڈاڈا ازم کی بنیاد انکار اور روایت شکنی کے تحت پیدا ہونے والی بیزاری پر تھی۔"(۴)

"اس کے بانی زیادہ تر جرمنی سے تعلق رکھنے والے تھے۔ تھیٹر کے ہدایتکار ہگو بال(Hugo Ball) ، فنکار ہنس آرپ(Hans Arp) ، شاعر رچرڈ ہلسینبک(Richard Hulsenbeck) اور ان کے ساتھ ساتھ رومانیہ کے تارستن ترارا(Taristan Tazara) جبکہ آگے چل کر آنے والے کچھ برسوں میں کسی موقع پر جارج

گروسز(George Grosz) ، کولون(Cologne) ، کرٹ سچوٹیرز(Kurt Schwitters) ، ہنوور (Hanover)، کیوبا کے فرانس پیکابیا(Fransis Picabia) ، فرانس کے مارسل ڈوشمٹ (Marcel Duchampt)ان دونوں نے اس سے بیشتر نیو یارک میں تقابلی عدمیت کے تجربے کیے تھے اور آخر میں ایک ادبی گروہ کے ارکان جو آندرے برٹن(Andre Breton) کے پیرس ریویولٹریچر (Paris Review Literature 1919-1924)سے منسلک تھے۔ اس تنظیم کے پیروکاروں میں شامل تھے۔"(۵)

اس سے وابستہ تمام لوگ حساس شعبوں سے تعلق رکھنے والے انتہائی حساس لوگ تھے جو حالات میں موجود انتشار اور بے اعتباری کا شکار ہوئے۔ جس میں "ہونے" سے زیادہ "نہ ہونے" کا کامل یقین تھا۔ اس لیے امید کو چھوڑ کر ناامیدی و اضطراب کو بنیاد بنا کر اس تحریک سے وابستگان نے اپنے عمل ورد عمل کو تجریدیت کا سائن بورڈ کہا۔ یہ دراصل بے ہنگم، ہسٹریائی اذہان کی منفی تحریک جس کو مثبت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ اپنے اور اپنی تہذیب کے گلنے سڑنے کا متضاد نوحہ تھا۔ جس میں منفی جدت پسندی(Negative Modernity) کا تڑکا لگا کر پیش کرنے کی کوشش کی جارہی تھی لیکن یہ ایک مضحکہ خیز انداز تھا۔ اس پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر عامر سہیل رقمطراز ہیں :

> "ڈاڈا ازم کی بنیاد رکھنے والے خود کو فن و ادب کیلئے وقف کیے ہوئے تھے۔ ان کیلئے کچھ بھی مقدس نہ تھا۔ وہ نہ تو کمیونسٹ تھے، نہ انارکسٹ اور نہ ہی صوفی، ان کی تحریک مکمل طور پر تمام اخلاقی اور مذہبی اصولوں اور اقدار سے عاری تھی۔"(۶)

ڈاڈا ازم میں دراصل اعتماد نام کی چیز ختم تھی۔ ڈاڈائسٹ کسی چیز پر، کسی حالت اور کسی شخص وعقیدہ پر اعتماد کرنے کی نفی کرتا تھا۔ یوں کہیں تو بہتر ہو گا کہ وقت سے انحراف اور کسی ایسے گوشے میں عافیت ڈھونڈنا جس کا عافیت سے کوئی تعلق نہ ہو رویہ تھا۔ اس تحریک کے بانیوں میں جارج گروسز(Geroge Grosez) لکھتا ہے :

> "We spot upon everything including ourselves."(۷)

اس تنظیم سے وابستہ لوگ عورت کی نیک نامی کے بھی خلاف تھے۔ ایسی صورت میں وہ مردانگی کو عورت پر فوقیت کا سبب گردانتے تھے۔ یہ لوگ فلسفے کو سرے سے مانتے ہی نہ تھے۔ ادب اور آرٹ کی نفی کرتے ہوئے ایک ہلکی منفی ذہنی عیاشی پر مبنی ادب و آرٹ میں پناہ گزین تھے۔ جو سوائے برگشتگی کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ یہ دراصل ادب، آرٹ اور تہذیب کی وسیع دنیا میں ایک ایسا تہہ خانہ تھا۔ جس میں موجود مایوس، ناامید لوگوں کی آہ وفغاں

انہیں کے کانوں تک دب کر رہ جاتی ہیں مگر اس تہہ خانہ سے باہر نہیں آتی۔ "ڈاڈاازم" تحریک کی ابتداء کے چار سال بعد برلن میں جون ۱۹۲۰ء میں باقاعدہ میلہ منعقد کیا گیا جس میں تحریک کے منشور پر چار بھی کیا گیا۔ اس تحریک سے متعلق انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں کچھ یوں وضاحت ملتی ہے :

> "Dada had for reading effects on the art of the 20th century. Techniques of creation involving accident and chance explored by Dacham and Arp."[۸]

منفی آرٹ و فن کی وجہ سے ڈاڈاازم صرف انار کی ولا قانونیت کی ایک مثال تھی۔ جس میں شاعری اور دیگر فنونِ لطیفہ کو غیر مربوط انداز میں پیش کیا گیا۔

ادب کے حوالے سے جتنی بھی تبدیلیاں، رجحانات، تحریکوں کا آغاز ہوا اور اس کے اثرات ہمارے ادب پر مرتب ہوئے وہ تقریباً مغربی تھیں۔ اس کیلئے برصغیر کا ماحول ساز گار تھا۔ حکمران مغربی تھے اور مغربیت کو پسند کرتے تھے۔ اس لیے جب بھی کوئی تحریک مغرب سے مشرق کی طرف سفر کرتی تو وہ ضرور کسی حد تک کامیاب بھی ہو جاتی کیونکہ کچھ لوگ انفرادیت پسندی میں اپناتے تو کچھ اقرباء پروردی کے ضمن میں قبول کرتے۔ جب ڈاڈاازم کی تحریک یورپ میں پنپ رہی تھی اس وقت پاک وہند میں اردو زبان کا تلاطم ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ معاشرے کا ایک مخصوص طبقہ یہاں بھی مایوسی ونا امیدی کا شکار تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ترقی پسندیدیت کے جراثیم بھی ہوا میں سر گرداں تھے۔ ایسے میں اردو ادب پر ڈاڈاازم کے اثرات ہر چند مرتب ہوئے یہی وجہ ہے کہ :

> "اردو ادب میں ڈاڈاازم ایک واضح تحریک کی صورت میں تو موجود نہیں لیکن ڈاڈاازم کے بنیادی نظریات کی روشنی میں ان کے نمایاں خدوخال اردو ادب میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس میں ترقی پسند تحریک کے تحت تخلیق ہونے والا ادب بطور خاص شامل ہے۔ اس کے علاوہ علامتی شاعری اور تجریدی ادب پر بھی ڈاڈا کی چھاپ موجود ہے۔ اردو ادب میں جنسی بے راہ روی پر مبنی تخلیقات کو بھی ڈاڈاازم کے اثرات کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اردو شاعری میں جس قدر بھی نئے اور منفی رجحانات داخل ہوئے ہیں۔ سب مغربی اثرات کا نتیجہ ہیں۔"[۹]

اردو ادب میں روایت سے گریز اور باغیانہ خیالات کی روانی دراصل ڈاڈا ازم کے اثرات کا واضح ثبوت ہے۔ اس سلسلے میں اردو ادب میں سعادت حسن منٹو، ن م راشد، تصدق حسین، ساحر لدھیانوی، راجندر سنگھ بیدی وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ اردو ادب میں ڈاڈاازم کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

مثال نمبر ۱ :

تمہاری بیوی ہمیشہ میرے گھر میں چکی پیسے گی
تمہاری جواں بیٹی میرے بستر پر سوئے گی
اور تم اپنی ہر فصل کاٹ کر
میرے گھر میں ڈال دیا کروگے! (دایاں بازو، ن م راشد)

ڈاڈام کے منشور کی وہی بات جس میں مردانگی کے مقابلے میں عورت کی نفی کی گئی۔

مثال نمبر ۲ :

عقائد وہم ہیں، مذہب خیال خام ہے ساقی
ازل سے آدمی سربستہ اوہام ہے ساقی
("Nothing") کچھ بھی نہیں۔ ساحر لدھیانوی

اس میں مذہب سے انکار، خود سے کوئی بڑا جس کا وہ مطیع ہو ڈاڈا ازم میں ناممکنات میں سے تھا۔ مذہب سے بالکل مبرا اور مذہبی سوچ و تخیل سے عاری تھے۔ جیسا کہ اس بارے میں لکھا گیا :

> "ڈاڈاازم کی بنیاد رکھنے والے خود کو فن و ادب کیلئے وقف کیے ہوئے تھے۔ ان کیلئے کچھ بھی مقدس نہ تھا۔ وہ نہ تو کمیونسٹ تھے، نہ انارکسٹ اور نہ صوفی، ان کی تحریک مکمل طور پر تمام اخلاقی اور مذہبی اصولوں اور اقدار سے خالی تھی۔"(۱۰)

سرائیکی زبان و ادب پر مغربی ادبی تحریکوں کے اثرات بالواسطہ(Indirect) اور بلاواسطہ (Direct) دونوں طرح سے پڑے۔ مگر بلواسطہ سرائیکی ادب قومی زبان اردو سے زیادہ متاثر ہوا۔ کیونکہ اردو کا تعلق تمام علاقائی زبانوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے جو اثرات اردو زبان و ادب پر مغربی تحریکوں سے پڑے ان کا اثر لا محالہ علاقائی زبانوں خاص طور پر سرائیکی پر بھی ہوا۔ اب سرائیکی ادب میں ڈاڈاازم کی مثالیں ملاحظہ ہوں :

"جنگھ بیٹھو لنگھسیں؟ "

'آں، ہا'

کیر ھلے؟

پیشیں کوں۔"(۱۱)

ملامتی (افسانہ)

سرائیکی افسانہ جو انگریزی سے اردو کے راستے بطور صنف و موضوع سرائیکی میں داخل ہوا۔ اس پر ان دونوں زبانوں کے موضوعاتی اثرات، صنفی اور اسلوبی اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ جہاں تک ڈاڈاازم کی تحریک کے اثرات کی بات ہے تو سرائیکی ادب میں آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ کیونکہ یہ تحریک جب رجحان سے تحریک کے دائرے میں شامل ہوئی تو بہت جلد ہی اس کا دائرہ ٹوٹ گیا۔ مگر اس دائرے میں شامل لوگ جب بکھرے تو ان کے ساتھ اس کی تحریک کے کچھ اثرات بھی مسافت پر نکل کھڑے ہوئے۔ جو بعد میں علامت اور تجرید کی صورت اختیار کر گئے۔ مگر اپنے سابقہ اثرات سے مبرا نہ ہو سکے۔ جس میں جنسیت و فحاشی کے واضح نشانات ہیں۔ سرائیکی افسانے میں ڈاڈاازم کے اثرات کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو :

"ناظرے آلے طالب وقتی چھٹی کر ویندے ہن۔ پر حفظ آلے مسیت دے ایں ماحول دے قیدی ہوندے ہن یا لُڈ لُڈ مختہ یاد کریندے ہن تے یا وَت رحل دے پچھو لُک ہک بئے دی اناٹمی پڑھدے بیٹھے راہندے ہن۔"(۱۲)

(ملامتی از احسن واگھا)

ڈاڈاازم تحریک اور اس کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید "فن جدید" سے عبدالرحمن اعجاز کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "ڈاڈا تحریک نے روایت کے مضبوط رابطوں کو باغیانہ تحریک کاری سے توڑنے کی کوشش کی۔"(۱۳)

ڈاڈاازم تحریک جیسے تخریبی خیالات رکھنے والے لوگوں کا ایک گروہ ہر دور میں رہا ہے۔ وہ ہر معاشرے اور زبان و ادب میں رہا ہے۔ البتہ کہیں اس کی تابناکی کم رہی ہے اور کہیں زیادہ مگر ان کا ذہنی انتشار جو ناامیدی اور لادینیت میں بدلتا ہے تو ادب میں زبان کا نیا رنگ ابھر کا سامنے آتا ہے۔

سرائیکی افسانوی نثر کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو افسانے کے علاوہ ناول میں بھی ڈاڈاازم کے اثرات ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ اس ضمن میں ۲۰۰۴ء میں شائع ہونے والا ناول 'پھوگ' قابل ذکر ہے۔ 'پھوگ' کے لفظی

معنی تو "اس فضلے کے ہیں جو کسی شے کو نچوڑنے کے بعد بچ جائے۔" بے جان و بے ذائقہ جس کا مصرف گھاس پھوس وایندھن رہ جائے۔ یہ ناول مصنف کا ایک ایسا کیتھارسس ہے جس کو پڑھا جا سکتا ہے مگر اس پر تبصرہ صرف محدود دائرے میں ہی ہوگا۔ جس طرح حمید الفت ملغانی لکھتے ہیں :

> "پھوگ در حقیقت ایک عہد کے بے رنگ اور پھیکے پہلوؤں کو پیش کرتا ہے جو فرد کی معاشی، تعلیمی اور تہذیبی سطح کی عکاسی کرتا ہے۔ سیاسی زندگی کے خلفشار، سماجی زندگی کے انحطاط، تہذیبی تصادم اور کشمکش کے زمانے میں جہل و افلاس کے جنگل میں جکڑے ہوئے ایسے بے بس انسان جن کا احساس کند اور شعور مفلوج ہو چکا ہو۔ کاشف بلوچ ان کی زندگیوں کو پھوگ کی صورت میں لیتے ہیں۔ سلگتی اور جلتی زندگیوں پر یہ ایک سفاکانہ طنز ہے مگر اس طنز کو ادبی حوالہ سے بھی سامنے لایا جا سکتا تھا۔" (۱۴)

اگرچہ کاشف بلوچ ڈاڈاایسٹ تو نہیں تھے مگر ڈاڈاازم کے اثرات ضرور ان کی تحریر میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ ۴۸۰ صفحات پر مشتمل یہ ناول فحش مکالمہ نگاری اور عریاں تحریر کا غماز ہے۔ مگر ناول کا نفس مضمون بے مقصد اور پلاٹ بے ترتیب ہے جس میں ذہنی خلفشار کے پیش نظر فحش سلینگ (Slangs) ہیں۔ جن کو تحقیق میں بطور حوالہ دیتے ہوئے، ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔

خود کلامی اور مکالمے میں جنسیت ناول نگار کا پسندیدہ ترین موضوع ہے جسے طرح طرح سے بیان کر کے حظ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کوئی بھی تحریر اپنے مصنف کی دلچسپی اور صلاحیت کی بھی آئینہ دار ہوتی ہے۔ مصنف کا احساس اور سوچ اس کی تحریر میں جھلکتی ہے اور تحریر کے عکس میں مصنف کی چھووی (Refrection) دکھائی دیتی ہے۔ لکھت اپنا رنگ اپنے تخلیق کار کے روپ میں مستعار لیتی ہے۔ تخلیق کار رنگ روپ، احساس، نفس مضمون، اسلوب اور طوالت تک میں مصنف جہاں بول رہا ہوتا ہے وہاں اپنا ظاہری اور باطنی کیتھارسس بھی کرتا ہے۔ جس سے اس کے رجحانات عیاں ہوتے ہیں۔ رجحانات اس کے شعور، لاشعور کے ذریعے اجتماعی لاشعور تک رسائی باہم پہنچاتے ہیں۔ جب "پھوگ" کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس کا اجتماعی لاشعور، 'یا پٹرنگ پارٹی' کی عکس بندی کرتا ہے۔ جس بارے ڈاکٹر اسلم عزیز درانی کا تنقیدی شعور کچھ یوں اجاگر ہوتا ہے :

> "پھوگ اِچ اتنا فحش تے غلیظ پیرایہ اختیار کیتا گئے کہ میں مثال دے طور تے انہاں صفحات تے ایں تحریر وچوں کئی اقتباس وی نئیں ڈے سگدا۔ پھوگ چھڑا پھوگ اے،

اینکوں پڑھن دا بھوگ نہ بھوگیا ونجے تاں بہتر اے۔ اے اُلجھی ذہنیت، بے ربط خیالات، فحش گالھیں، ننگے مندیں، بدبو دار تے مبہم تحریر دا ہک اینجھا پلندہ اے جیکوں پڑھن کیتے وی حوصلہ تے ہمت دی ضرورت ہے۔"(۱۵)

سرائیکی ادب کے نقار خانے میں نظم و نثر کی رنگارنگ تحریروں میں "پھوگ" ڈاڈا ازم تحریک کا علمبردار ناول ہے۔ جس میں لاشعور و شعور، ناامیدی، ذہنی تھکاوٹ، الجھے خیالات، نفسانی خواہشات مبہم تحریر کی صورت سامنے آتے ہیں۔ نوجوان نسل کے ایک گروہ کی ذہنی افتاد کا پتہ دیتے ہیں۔ جو قلم کے ذریعے اپنا کیتھارسس یا ذہنی انخلا کرتے ہیں۔ جن کا طریقہ ہیجانی کیفیات سے بالاتر ہے اور بہت بولڈ ہے۔

سرائیکی وسیبی مثال ملاحظہ ہو: ضلع ڈیرہ غازی خان سے جنوب کی جانب چوٹی زیریں کے علاقے میں چند لوگوں کا ایک گروہ تھا جو صدر ایوب کے دور کے بعد غیر رسمی (Informal) طریقے سے بنا۔ جس میں موجود لوگ خود کو شاعر و ادیب کہلاتے تھے۔ انہوں نے اکٹھے ہو کر زور زور سے گالیاں دینی اور انہیں خیالات اور آوازوں کو عریاں الفاظ میں لکھتے اور پھر مجمع میں سنا کر حظ اٹھاتے اور کیتھارسس کرتے تھے۔

۱۹۴۷ء سے کچھ عرصہ پہلے ادباء شعراء پر مشتمل ایک پارٹی تشکیل پائی جس کے روح رواں اور بانی ملک غلام رسول ڈاڈا تھے۔ اس پارٹی کا نام "یاپٹرنگ پارٹی" تھا۔ (یاپٹرنگ سے مراد بے کار و ناکارہ لوگوں کا گروہ) یہ پارٹی قیام پاکستان کے کافی عرصہ بعد تک بھی قائم رہی۔ اس پارٹی کا ہر ماہ ایک دفعہ لازمی اجلاس ہوتا تھا۔ یہ لوگ ہر ماہ جلوس نکالتے تھے۔ جو پرانا اڈا جام پور سے شروع ہوتا اور مین راجن پور روڈ پر ختم ہوتا تھا۔

مہار رانجھا سیال اس پارٹی کا محب اور گلوکار تھا۔ اس جلوس میں ۲۰ سے ۳۰ لوگ ہوتے مگر اس کا چرچہ خوب ہوتا اور تماشائی بے پناہ تھے۔ یہ پارٹی سردار، گودے اور وڈیرے کے خلاف تھی اور سرعام ان سے بغاوت کا اعلان کرتی اور اس حوالے سے شاعری میں کیتھارسس بھی کرتی۔ اس وقت کی ایک نظم کا مشہور مصرعہ ملاحظہ ہو۔

اساں بے گناہ نت مریندے ریہوسے

اس پارٹی کے کچھ مشاعرے سردار عبدالرحمن خان پتافی، سردار احمد خان پتافی کی وساخ (ڈیرے) پر ہوتے رہے۔ جن میں عبدالرحمن عبد بھی موجود تھے اور مشاعرہ پڑھا۔"(۱۶)

اس "یاپٹرنگ پارٹی" میں قریب کے دیگر قصبے کوٹ چھٹہ، بستی ملانہ، تلائی اور جام پور شہر کے لوگ بھی شامل تھے۔ "ڈاڈام ازم" تحریک میں ابتدائی یہی صورتحال ڈاڈائیسٹ لوگوں کی نظر آتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اس تحریک کی بنیاد ان نوجوانوں کے ہاتھوں پڑی تھی جو مختلف قوموں کے جلاوطن تھے۔ ایک ہوٹل میں چند نوجوان ادیبوں اور جلاوطن جوانوں کا اجلاس ہوا۔ جن میں جین آرپ، رچرڈ ہلسن بیگ، مارسل جنیکو، ایمی ہنیگز اور اس تحریک کے ممتاز روح رواں ٹرسٹن زارا (Tristan Zara) شامل تھے۔"(۱۷)

جبکہ سرائیکی میں پیدا ہونے والی یہ تحریک جو اسی مقصد اور طریقہ کار پر بنی اس کے روح رواں مشہور سرائیکی شاعر ملک غلام رسول ڈاڈا تھے۔ "ڈاڈا ازم" کے اثرات کی حامل شاعری کے چند امثالی نمونے ملاحظہ ہوں:

پیٹ کئی گبھڑیں دے پاڑیئے پھڑ کدے کئی بال سُنڑ
منجھو ننگیاں عورتاں عصمت لٹیندئیں نال سُنڑ
سنڑ جنگاور دی فتح وحشت تے بے صبری وی سُنڑ
بے حیائی ڈیکھ بے شرمی زنا جبر وی سُنڑ (۱۸)

غلام رسول ڈاڈا کی شاعری میں ڈاڈا ازم کے اثرات بھی ہیں اور ان کی شاعری مزاحمتی شاعری کی صف میں بھی اول اول ہے مگر وہ کہیں کہیں برخلاف ڈاڈا ازم کے عورت اور کائنات کو لازم و ملزوم گردانتے ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو:

ہے انسانیت دی اے بنیاد عورت
نبھیندی ہے ہر ظلم بے داد عورت
ہے محرومیت وچ تے اُفتاد عورت
محض چُپ چپاتی ہے فریاد عورت (۱۹)

مگر ڈاڈا ازم کے اثرات اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ پھر کہنے لگتے ہیں:

جب جیوݨ دا بس ہکو گُر ہے، ہنیڑے کوڈے رُنب
ڈاڈھا تنبے تیڈی ڈاڑھی، توں ہنیڑے دی تُمب
حق انصاف عدالت اے ہے کھس کھوہ کھیسے تُمب
ملک شرم حیا مکلا گئے بݨ ونج لُنب دا لُنب (۲۰)

(یہ ڈوہڑہ ان کے احباب کو ازبر ہے۔ اس لیے یہ ان کے دیرینہ ساتھی عبدالرحمن عبد (پ: ۱۹۳۰ئ) نے ایک انٹرویو میں سنایا اور جمشید احمد کمتر احمدانی نے بھی سنایا کیونکہ ان دونوں ساتھیوں نے ان سے سنا تھا۔)

سرائیکی لوک ادب میں بھی یہ رجحانات دیکھے جا سکتے ہیں۔ خاص طور پر سرائیکی لوک ادب کی صنف "وگتی" میں جنسیت کو موضوع بنا کر سر عام نثر و نظم میں اپنی بات کر کے نہ صرف کتھارسس کیا جاتا ہے بلکہ لوگوں کی یہ ایک سستی تفریح ہوتی ہے۔ جس میں گالی گلوچ دینا، سامعین کا خوشی بارضا سننا، جنسی اعضاء کا ذکر، یہ سب وگتی کا موضوع خاص ہوتا ہے۔ بہت کم معاشرے کے مسائل کی طرف اشارہ یا کوئی مقصدیت کی بات کی جاتی ہے۔

سرائیکی کی ایسی صنف جسے ڈاڈاازم کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے :

وگتی :

وگتی سرائیکی وسیب کی خاص صنف ہے جو زمانہ قدیم سے یہاں رائج ہے۔ اس کے خاص علاقے کبیر والا، عبدالحکیم، جھنگ اور اس کے مضافات کا وسیع علاقہ ہے۔

مگر برصغیر پاک وہند میں وگتی کا رواج عام تھا۔ زمیندار لوگوں نے اپنے ڈیروں پر وگتی باز رکھے ہوتے تھے۔ جن کو باقاعدہ معاوضہ دیا جاتا تھا۔ جو فصلانے کی صورت میں موقعہ بموقعہ روپے پیسے کی صورت میں دیا جاتا۔ شام ہوتے ہی گاؤں کے لوگ ڈیروں پر اکٹھے ہو جاتے تھے۔ وگتی عموماً دو وگتی بازوں کے درمیان ہوتی ہے۔ ایک سوالیہ انداز میں بات کا آغاز کرتا ہے اور دوسرا بڑی حاضر دماغی کے ساتھ اس کا جواب دیتا ہے۔ سوالیہ بھی مزاحیہ انداز میں ہوتا ہے اور جواب بھی مزاحیہ انداز میں دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وگتی کی یہ صفت ہے کہ وگتی باز ایسی میٹھی اور من بھاونی باتیں کرتا ہے کہ سننے والا اس سے خوب محفوظ ہوتا ہے۔ مگر وگتی میں میٹھے انداز میں اور ڈھکے چھپے انداز میں فحاشی (Volgarity) کی باتیں کر رہا ہوتا ہے۔ جس میں فحاش گالی گلوچ عام سی بات ہوتی ہے۔ اس لیے ایک وگتی باز جعفر نائی یہ کہتا ہے کہ "اساں مندے کڈھ کرائیں پیسے گھندے ہیں"۔ (ترجمہ: ہم لوگوں کو گالیاں دے کر پیسے لیتے ہیں) وگتی کا موضوع عام طور پر عورت ہوتی ہے۔ وگتی باز ایک دوسرے کی عورت کی تذلیل کو زیر بحث لا کر داد وصول کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک زمانہ تھا جس میں زمیندار تک کی عورت کو موضوع بنایا جاتا تھا اور لوگ اسے برداشت کرتے تھے اور اسی پر ٹھٹھہ کیا کرتے تھے۔

عورت کو کم تر جاننا اور اس کی تذلیل کرنا ڈاڈاازم تحریک کا بھی موضوع رہا ہے۔ وگتی اگرچہ ایک مکالمہ کی صورت میں ہوتی تھی۔ جس کی طوالت کئی کئی گھنٹے ہوتی۔ وگتی سرائیکی ادب میں تحریری صورت میں نہیں ملتی البتہ اس کی

ریکارڈ کیسٹیں عام ملتی ہیں۔ ماضی میں برصغیر پاک و ہند میں اللہ بخش روانی والا کا "گامن تھیٹر" بہت مقبول تھا۔ اس تھیٹر میں منظور میاں شاہرے اور اس کے بھائی کی وگتی بہت مشہور تھی۔ ان کی وگتی سننے کیلئے لوگ دور دراز کے علاقوں سے آتے تھے۔ آج بھی گورنمنٹ ہائی سکول جھنگ روڈ تحصیل کبیر والا کے گراؤنڈ میں ہر سال میلہ ہوتا ہے، جسے "سنگ" بھی کہتے ہیں۔ یہاں وگتی بازی کا مقابلہ ہوتا ہے جس کی وگتی لوگ پسند کرتے ہیں اسے ویلوں (داد) کی صورت میں رقم دیتے ہیں۔ وگتی بازی صبح نو بجے شروع ہوتی ہے اور رات گئے تک جاری رہتی ہے۔ وگتی باز خاص طور پر شادی بیاہ اور فصل کی کٹائی کے موقعے پر بھی خوب وگتی بازی کو روزگار کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اس کی اہم بات یہ ہے کہ زمانہ قدیم سے اب تک وگتی کا سامع صرف مرد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں اشارے کنائے اور علامت کے طور پر فحاشی کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ سلینگ (Slangs) برتے جاتے ہیں اور تضحیک کرتے ہوئے عورت ہی موضوع ہوتی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے زمانہ قریب تک منظور میاں شاہرے اور اللہ دتہ بھنڈ کبیر والا اور اس کے مضافات میں مشہور وگتی باز تھے جو اب وفات پا چکے ہیں مگر ان کی وگتی بازی کی کیسٹیں میلوں ٹھیلوں اور عیدین کے موقع پر بہت زیادہ بکتی ہیں۔ دبستان کبیر والا کے سرائیکی شاعر ریاض حسین ارم کہتے ہیں :

> "وگتی میں علامتی موضوعات کے علاوہ سنجیدہ موضوعات کو بھی پیش کیا جاتا ہے مگر وہ وگتی میں شاذ و نادر ہوتا ہے۔ لیکن ایسے موضوعات سے لوگ بہت اثر قبول کرتے ہیں اور اصلاح کا یہ پہلو بہت کار گر ہے۔"(۲۱)

اس کو لوک ادب کی صنف وگتی میں ہونے والی تبدیلی شمار کر سکتے ہیں جو ادب یا ادبی صنف و ہیئت کا ارتقائی مرحلہ ہوتا ہے۔ فکری تحریکیں دراصل نئے زاویۂ نظر کی تخلیق اور نئے رجحانات کی تشکیل تھی۔ سرائیکی ادب میں نئی فکری سوچ سے نئے معنوی استعاروں نے جنم لیا۔ عریاں حقیقتوں کو جب تخلیقی ادب کا حصہ بنایا گیا تو سلینگ تخلیقی ادب میں شامل ہو گیا۔ اردو اور سرائیکی ادب کے تناظر میں یہ ایک نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ ڈاڈاازم اور مقامی چند تحریکیں ایک سُر اور تال میں گاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ اس طرح کی غیر متوازن فکر نے ادب میں ایک نئے گوشے کی تخلیق کی۔

حوالہ جات

۱۔ حفیظ صدیقی، ابو الاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، ص:۷۶

۲۔ J.A Cuddon. Dictionary of Literary Terms and Literary Theory, England, Penguin Book, 1994, PP: 215, 216

۳۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، ص:۷۷

۴۔ شکیل پتافی، ڈاکٹر، اردو ادب اور مغربی رجحانات، لاہور، اردو سخن، اپریل ۲۰۱۶ء، ص:۲۶

۵۔ محمد اکرم چغتائی و دیگر، تشریحی لغت، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۱ء، ص:215

۶۔ عامر سہیل، ڈاکٹر، سید، بیسویں صدی کی اہم ادبی تحریکیں، مشمولہ "تحقیق"، شمارہ:۱۶، جام شورو، سندھ یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء، ص:۳۳۴

۷۔ W.E.Bigsby, Dada & Surrealism, London, 1972, P: 5

۸۔ The New Encyclopedia of Britannica, vol. 3, 15th edition, P: 843

۹۔ شکیل پتافی، ڈاکٹر، اردو ادب اور مغربی رجحانات، ص:۶۳، ۶۴

۱۰۔ عامر سہیل، ڈاکٹر، سید، بیسویں صدی کی اہم ادبی تحریکیں، مشمولہ "تحقیق"، شمارہ:۱۶، ص:۳۳۴

۱۱۔ احسن واگھا، آدی واس، تونسہ شریف، دامان، سوشل ڈائیورسٹی کنزرویشن ونگ، ۲۰۰۲ء، ص:۳۲

۱۲۔ احسن واگھا، آدی واس، ص:۳۳

۱۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۳ئ، (طبع ہشتم)، ص:۹۹

۱۴۔ عبدالحمید، سرائیکی افسانے، ناول اور ڈرامے کا ارتقاء، (مقالہ پی ایچ ڈی) اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۱۳ء، ص:۲۰۳

۱۵۔ اسلم عزیز درانی، ڈاکٹر، سرائیکی ناول نگاری، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۸ء، ص:۱۷۶

۱۶۔ انٹرویو: عبدالرحمن عبد، ریٹائرڈ مدرس و صاحب دیوان (دیوانِ عبد)، جامپور، بتاریخ: ۲۶ فروری ۲۰۱۶ء، بوقت: ۱۲ بجے دن

۱۷۔ شکیل پتافی، ڈاکٹر، اردو ادب اور مغربی رجحانات، ص:۶۱

۱۸۔ غلام رسول ڈاڈا، ملک، پنجرے توں آنڑیں تائیں، راولپنڈی، مغل ایڈورٹائزر، ۲۰۱۳ء، ص:۲۱۲

۱۹۔ ایضاً، ص:۱۳۹

۲۰۔ انٹرویو: عبدالرحمن عبد، ریٹائرڈ مدرس و صاحبِ دیوان (دیوان عبد)، جام پور، بتاریخ: ۲۶ فروری ۲۰۱۶ء، بوقت: ۱۲ بجے دن

۲۱۔ انٹرویو: ریاض حسین اِرم، شاعر سکول ٹیچر مبارک پور تحصیل کبیر، ۲۱ جولائی ۲۰۱۶ء، بوقت: ۱۲ بجے دن